© rasailojaraid.com

ہر گلی، اور ہر گھر تک بائبل کا پیغام پہنچایا جائے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت مقبوضہ کشمیر میں مسیحی آبادی کل آبادی کا صرف ۱۴ء فیصد ہے، یعنی دس ہزار افراد میں ۱۴ مسیحی ہیں۔

ایک دوسرے تبشیری پروگرام ''سن دو ہزار کے لیے شمال مغربی پروجیکٹ'' (Project North West 2000 AD) کے رابطہ کار جناب ایلکس ابراہام کے بقول ۱۹۹۰ء میں کشمیر میں ۴۵ چرچ تھے جو ۱۹۹۷ء کے آخر میں بڑھ کر ۹۵ ہو گئے۔ ۲۰۰۰ء تک چرچوں کی تعداد پانچ سو تک بڑھانا پیشِ نظر ہے۔ (''پلس'' - ۷ اگست ۱۹۹۸ء)

متفرق

''امریکی پالیسی کی بنیاد مذہب پر نہیں، قومی مفادات پر ہوتی ہے۔''

— رونالڈ نیومین

[گزشتہ دنوں امریکہ کے نائب وزیرِ خارجہ نیومین نے جارج ٹاؤن یونیورسٹی واشنگٹن ڈی سی میں قائم ''مرکز برائے مسلم - مسیحی مفاہمت'' کے ایک اجلاس سے خطاب کیا۔ ان کے خطاب کے چند اقتباسات امریکی شعبہ اطلاعات - اسلام آباد کے خبرنامے ''خبر و نظر'' سے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ مدیر]

سب سے اوّل یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ چاہے مشرقِ وسطیٰ ہو یا دنیا کا کوئی اور علاقہ، ان کے بارے میں امریکی پالیسی کی بنیاد مذہب کے بجائے اس کے اپنے قومی مفادات پر مبنی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ امریکہ کی بطورِ خاص اسلام کے بارے میں نہ تو کوئی پالیسی ہے، اور نہ ہی ہونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے۔

دہشت گردی کا مسئلہ، قیامِ امن کا عمل، عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا خاتمہ، بنیادی انسانی حقوق، اقتصادی اور سماجی اصلاحات، دوطرفہ اور علاقائی تعلقات، غرض کوئی بھی معاملہ ہو، ان کے بارے میں ہمارے فیصلے کی بنیاد مذہب نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے ہمارے پیشِ نظر یہ ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں کہ جس سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے علاقے میں خوشحالی، استحکام اور امن کا فروغ ہو۔ یہ ضرور ہے کہ نتائج اخذ کرنے کے عمل پر ملکوں، جماعتوں اور افراد کے اعمال اور ان کی نیت اثر انداز ہوتی ہے، نظریات اور مذہب کئی مملکتوں اور افراد کے اعمال کو سمجھنے اور ان کی پیش بینی کے سلسلے میں ضرور مددگار ثابت ہوتے ہیں، لیکن اس کا قطعی مطلب نہیں کہ یہ ہماری پالیسی کی بنیاد بنتے ہیں۔ کسی بھی ترقی یافتہ مملکت کے اقدامات میں مذہب کبھی بھی بنیاد نہیں بنتا۔

امریکی حکومت کی حیثیت سے ہم نے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں گے جو:

- دہشت گردی پر عمل پیرا ہوں۔
- تنازعات کے پُر امن حل کے مخالف ہوں، خاص طور سے عربوں اور اسرائیل کے درمیان۔
- اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جبر، تشدد یا دہشت گردی کو استعمال کریں۔

ہم نے ان کے خلاف آواز بلند کی جو اقلیتوں کو کچلتے ہیں، عدمِ رواداری کی تبلیغ یا انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہم جمہوری اقدار کی پاسداری کے لیے بہتر سے بہتر طریقے اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اختلافات کے پُر امن حل کے لیے بات چیت کے طریقے کو رد کر کے جو لوگ جان بوجھ کر متشددانہ پالیسی اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے پیدا کردہ خطرے سے نمٹنے کے لیے ہمارے سامنے سب سے مقدم کام امریکی شہریوں کی زندگیوں کا تحفظ ہوتا ہے۔ ہم ایسے ملکوں اور تنظیموں کو یکا و تنہا کرنے کا کام جاری رکھیں گے، ہم انہیں امن کے فروغ اور اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوستوں کے استحکام کو متزلزل کرنے سے باز رکھنے کی کوشش بھی جاری رکھیں گے۔

اگر ایسے ملک یا تنظیمیں بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ اصولوں کو تسلیم کرلیں تو ہم ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے کو تیار ہیں۔ پی- ایل- او کی مثال لیجیے، جب اس نے تشدد کی مذمت کی، اسرائیل کے وجود کو تسلیم کیا، سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر ۲۴۲ اور ۳۳۸ کے تحت عرب- اسرائیل تنازعے کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے پر اتفاق کیا تو ہم نے اس کے ساتھ مذاکرات کے مراسم استوار کرلیے۔ الجزائر کے معاملے میں ہم نے تشدد کی مذمت کی اور ان کی حمایت کی جنھوں نے سیاست میں تشدد کو مسترد کیا اور جمہوریت کی حکمرانی کو قبول کیا۔ جہاں تک ایران کا تعلق ہے، ہم حکومتی سطح پر باہمی تشویش کے مسائل پر مذاکرات کرنے کے لیے تیار ہیں تا کہ تعلقات کی بہتری کے لیے راہ کا تعین ہو سکے۔ ہم نے یہ بات واضح کردی ہے کہ ہمارا تعلق ایران کے اقدامات سے ہے، اس کی مذہبی شناخت سے نہیں۔

ان چند مثالوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے لیے امریکی پالیسی نہ تو جامد ہے اور نہ ہی آمرانہ۔ میں نے جو اصول ابھی بیان کیے، ان کی بنیاد پر اور اپنے قومی مفاد کے تقاضوں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم نے اپنی حدود میں رہتے ہوئے بہت سے عالمی واقعات پر اثر انداز ہونے اور بہت سے موقعوں کو بروئے کار لانے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی ہے۔

امن کے فروغ اور استحکام کے سلسلے میں ہمیں خاطر خواہ کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ عراق کو ہم نے اس کی حدود میں پابند کیا ہوا ہے۔ لیبیا نے پین ایم-۱۰۳ کے مشتبہ ملزموں پر مقدمہ چلانے کے لیے انہیں حوالے کردیا ہے۔ مراکش اور اردن میں اقتدار کی پرامن منتقلی ہوئی، الجزائر نے قومی مصالحت کے لیے اہم اقدامات اٹھائے ہیں۔ مصر میں اسلامی اصلاحات اور ترقی کا عمل قوی اور جاندار ہے۔ خلیج میں ہماری سلامتی سے متعلق تعلقات بہترین ہیں۔ شمالی افریقہ کی تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاستوں میں اہم اقتصادی اصلاحات کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس موضوع پر میں ضرورت سے زیادہ زور اس لیے نہیں دوں گا کہ ابھی بہت کچھ کرنے کی گنجائش باقی ہے اور شعبہ کوئی سا ہو، کامیابی کبھی بھی یقینی نہیں ہوتی۔

میں جانتا ہوں کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی پر ہونے والی علمی بحث و تمحیص میں اسلام کے اثر و رسوخ کا موضوع چند نامکمل مباحثوں میں شامل ہے اور یہ کہ پچھلے اٹھارہ برسوں سے امریکی پالیسی کا مقصد یہ رہا ہے کہ اسلامی تحریکوں اور اسلامی حکومتوں کے فروغ کو روکا جائے، دوسرے الفاظ میں مزید ایران نہ بننے دیے جائیں۔ میں گزشتہ چھبیس برسوں سے اس علاقے میں سفارت کاری کر رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ سرسری طور پر قائم یہ نقطہ نظر درست نہیں ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کوئی حکومت مذہبی ہے یا نہیں۔ اسلام اور مغرب کے درمیان کوئی فطری اختلاف نہیں ہے اور ہماری نظر میں نہ یہ کوئی دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے۔ ہمارا اختلاف اور جھگڑا تو ان لوگوں، جماعتوں اور حکومتوں سے ہے جو تشدد کی وکالت کرتے ہیں اور ظلم و جبر کی پالیسی روا رکھتے ہیں۔

میں تو یہاں تک کہوں گا کہ لوگوں کی سوچ اور خیالات کے مطابق پالیسی بنانا امریکہ کے بنیادی اصولوں کے برخلاف اور متضاد ہے۔ ہم دوسروں کے خیالات کی بنیاد پر اپنی پالیسی مرتب نہیں کرتے کیوں کہ یہ ہماری ان اقدار اور نظریات کے لیے تباہ کن ہو سکتا ہے جو ہمیں بہت عزیز ہیں۔

آئیں! اب اس موضوع کے دوسرے رخ پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔ ہم مذہب کی بنیاد پر کسی ملک یا تحریک کے خلاف نہ کوئی قدم اٹھاتے ہیں اور نہ محض اس بنا پر کسی کی حمایت کرتے ہیں۔ ہم نے کوسوو میں اس لیے مداخلت نہیں کی تھی کہ وہاں جارحیت کرنے والے قدامت پرستوں سے مسلمانوں کو بچانا مقصود تھا۔ ہمارے اقدامات کا مقصد انسانیت کو تباہی سے بچانا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تصادم کو کوسوو کی سرحدوں سے پرے جانے سے روکنا اور بلقان کے استحکام کو قائم رکھنا تھا۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے ان اقدامات کی کسی حد تک اسلامی دنیا نے حمایت کی، کیوں کہ یہ اقدامات مظلوم مسلمان آبادی کا تحفظ کر رہے تھے، مگر اس بارے میں علت و معلول کو آپس میں گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔ دراصل یہ ہماری پالیسی کی وجہ نہیں تھی، بلکہ یہ اس کا نتیجہ تھا۔

اس سلسلے میں آخری بات میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری پالیسی سازی میں اسلام کا کوئی کردار نہیں ہوتا تو اس کا یہ مطلب قطعی نہیں لینا چاہیے کہ ہم اسلامی دنیا میں رونما ہونے والے واقعات اور حالات میں دلچسپی نہیں رکھتے یا ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مشرقِ وسطیٰ، جنوبی ایشیا اور بحرالکاہل میں مسلمانوں پر اثر انداز ہونے والے علمی مباحث اور دیگر سماجی تحریکوں کے بارے میں مکمل آگہی کے بعد ہی اس علاقے میں امریکی مفادات کا بہتر طور پر خیال رکھا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو کسی ایک جغرافیائی وحدت سے ماورا ہے۔ ترکی سے انڈونیشیا اور ازبکستان سے نائیجریا تک بسنے والے مسلمان سماجی مساوات اور اقتصادی ترقی کے حصول کے لیے ممکن طریقوں کی تلاش میں ہیں اور ان میں سے بہتوں کے لیے اسلام کا سیاسی نظام ایک قابل عمل متبادل نظام ہے۔

جب حکومتیں جبر و استبداد سے کام لیں اور سماجی ترقی کے تمام وعدے کھوکھلے نظر آئیں تو پھر مذہب پُرکشش بن جاتا ہے، لیکن چاہے وہ مشرقِ وسطیٰ ہو یا کوئی اور علاقہ، ہر معاملے میں ان مخصوص حقائق اور ان کا ارتقاء ہر جگہ الگ الگ ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انتہا پسندی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، لیکن اس سلسلے میں یہ احتیاط لازمی ہے کہ کہیں یہ موجودہ حکومتوں کے جبر و استبداد کی پالیسیوں کی حمایت کا بہانہ نہ بن جائے۔ ان پالیسی مقاصد کے درمیان کشیدگی موجود رہے گی جو ایک فطری بات ہے۔ ہمارے سامنے چیلنج یہ ہے کہ ہم اپنے اصولوں اور اپنے مفادات دونوں کو اہمیت دیں۔ یہ ایک چیلنج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا، لیکن اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے رونما ہونے والے واقعات کے حقائق پر گہری نظر رکھیں اور عمومی طور پر قائم ہونے والے غلط اندازوں کو مسترد کردیں، تو ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ہندوستان: تبدیلی مذہب پر قومی بحث

[ہندوستان میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے بتدریج مقبولیت حاصل کرنے، اور اس کے اقتدار حاصل کرنے کے نتیجہ میں اقلیتیں ظلم وستم کا نشانہ بن رہی ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی گزشتہ مخلوط حکومت کے دوران میں آسام اور گجرات میں مسیحیوں کے خلاف پر تشدد اقدامات ہوئے، اور حالیہ حکومت بھی ان ہی قوتوں کے بل بوتے پر اقتدار میں آئی ہے۔ اس کا رویہ ماضی سے چنداں مختلف نہ ہو گا۔ ماہنامہ ''افکار ملی'' (دہلی) کے مدیر نے معاشرے کے پسے ہوئے طبقات، بالخصوص اچھوتوں (جنہیں آج کل دلت کہا جاتا ہے) کی تبدیلی مذہب کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر ایک اداریے میں پیش کیا ہے جس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ مدیر]

گجرات کے عیسائی طبقہ پر حملوں کا جائزہ لینے کی غرض سے جب وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا تو بجائے اس کے کہ ملوث افراد کو نشانہ تنقید بناتے اور حکومت گجرات کو غنڈہ عناصر کی سرکوبی کا حکم دیتے، تبدیلیٔ مذہب کے مسئلہ پر قومی بحث کا اشو چھیڑ کر غالباً انہوں نے ہندو جاگرن منچ (جس کے صدر کے ساتھ انہوں نے ان علاقوں کا دورہ کیا تھا جنہیں بعد میں ریاستی حکومت نے حملوں کے الزام میں گرفتار بھی کرلیا ہے) کی جبری شدھی تحریک کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ دوسری جانب یہ تأثر بھی دینے کی کوشش کی کہ گویا عیسائی مشنری پیسے و دیگر مراعات نیز زور زبردستی کے ذریعہ قبائلیوں کا مذہب تبدیل کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com